انٹرویو: صابر علی ہاشمی

انوار صدیقی ...... معروف سلسلے وار تحریروں کے خالق

"اگر تخلیق کار خود کو وقت کے سانچوں میں ڈھالتا رہے تو ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے"

'رابطہ' کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس میں مختلف اصناف میں نئے نئے سلسلوں کو روشناس کرایا گیا' عصر حاضر میں بہت سے ادیب ایسے ہیں کہ ان کی خدمات کا اعتراف تو کرلیا جاتا ہے مگر بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ انہوں نے کس کس صنف پر کیا کیا خدمات انجام دی ہیں۔ قاری جن ادیبوں کی تحریریں پڑھتا ہے' ان کے متعلق بہت سی باتیں اور ان کے خیالات جاننا چاہتا ہے۔ ویسے بھی عصر حاضر میں اُردو ادب پر جو کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے' وہ گزشتہ صدی سے بالکل مختلف نوعیت کا حامل ہے' کیونکہ اب نا صرف یہ کہ اقدار تبدیل ہو چکی ہیں بلکہ قاری کا مزاج بھی وہ نہیں رہا' اب قاری حقیقت پسند ہو چکا ہے' بہت سے عوامل پر غور و فکر کرتا ہے۔ ان ہی تمام معاملات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے ایک سوالنامہ ترتیب دیا اور مختلف ادبی شخصیات سے ان کی رائے لی' جو آپ کے لیے پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

☆ اپنے ابتدائی حالاتِ زندگی کے بارے میں بتایئے؟

❁ یکم ستمبر 1934ء کو ہندوستان کے شہر الہ آباد میں آنکھ کھولی۔ 1947ء میں پہلا یوم آزادی کراچی میں منایا۔ گورنمنٹ ہائی اسکول جیکب لائنز سے 1952ء میں میٹرک کیا۔ 1956ء میں کراچی یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ تا حال روشنیوں کے شہر کراچی میں آب و دانہ چگ رہا ہوں۔

☆ آپ نے کب محسوس کیا کہ آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے؟

❁ میرے والد مولانا محمد انوار الحق صاحب ایونگ کرسچن کالج الہ آباد میں تیس سال تک شعبۂ اردو و فارسی سے بحیثیت پروفیسر منسلک رہے۔ بڑے چچا الحاج سراج الحق صاحب' عربی اور مولوی عبدالحق صاحب اردو کے پروفیسر تھے۔ مولوی عبدالحق کئی مزاحیہ کتابوں کے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے۔ ان کا ترنم اس غضب کا تھا کہ آج بھی اس کی گونج کانوں میں رس گھولتی ہے۔ محترم جناب اکبر حسین صاحب (اکبرالہ آبادی) میرے پرنانا تھے' ان کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ میری پرورش چونکہ خالص ادبی ماحول میں ہوئی' اس لیے بال و پر کے جنبش میں آتے ہی میرے اندر لکھنے کی خواہش کسمسانے لگی تھی۔

☆ اس صلاحیت کو پروان چڑھانے میں کن عوامل نے نمایاں کردار ادا کیا؟

❁ شروع شروع میں شاعری کے میدان میں ابھرنے کی کوشش کی لیکن والد صاحب نے روک دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ شاعر بے چارہ ہمیشہ مفلوک الحال ہی رہتا ہے۔ اسے صرف واہ واہ سے نوازا جاتا ہے۔ معاوضہ دینے میں بڑے بخل سے کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ نثر کی طرف راغب ہوا' اس میدان میں چھوٹے چچا نے میرا رجحان بدلنے میں خاصی مدد کی۔ ان کی شخصیت میرے لیے کسی اتالیق سے کم نہیں ہے۔

☆ پہلی تحریر کب اور کہاں شائع ہوئی؟

❁ پہلی تحریر الہ آباد ہائی اسکول کے میگزین میں بعنوان 'کمسن استاذ' 1945ء میں شائع ہوئی جو ایک کھلنڈرے بچے سے متعلق تھی۔ شریر ہونے کے باوجود وہ ہمیشہ کلاس میں سرفہرست رہتا تھا۔ مزاحیہ رنگ میں لکھی وہ تحریر والد صاحب نے پڑھی تو مجھے ایک روپے بطور انعام دیا' جس سے میری حوصلہ افزائی ہوئی۔ چھوٹے چچا نے بھی تعریف کی اور دعا دی کہ 'خدا تمہیں مستقبل میں کیم شمیم اہلِ قلم کی صف میں کھڑا کرے۔' مجھے آج بھی ان کی وہ دلچسپ دعا یاد ہے میرا قد پورے چھ فٹ ہے' جسے آپ کیم شحیم بھی کہہ سکتے ہیں۔

☆ کیا آپ نے کسی ادیب سے اثر قبول کیا یا کسی بڑے افسانہ نگار یا ادبی شخصیت سے آپ کو رہنمائی ملی؟

❁ محترم اکبرالہ آبادی کی منفرد، جداگانہ اور مختلف اندازِ شاعری نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ میں نے پاکستان کے بہت صفِ اول کے رسالوں میں لکھا۔ جام نو، ماہ نو، نگارستان، نقاد، ساقی، ساقی اور دلربا وغیرہ میں میرے سماجی اور رومانی افسانے شائع ہوتے رہے۔ مجید لاہوری مرحوم کے نمک دان او ہفت روزہ دستر خوان میں مزاحیہ شاعری بھی کی خاص طور پر 'نمک دان' کے لیے طنز و مزاح کے رنگ میں بڑے تواتر کے ساتھ لکھتا رہا۔ جب ڈائجسٹوں کا ریلا آیا تو اس کے بہاؤ میں شامل ہوگیا۔ شاید ہی کوئی ایسا معیاری ڈائجسٹ ہو جس میں' میں نے نہ لکھا ہو، اردو، سیارہ، سب رنگ، نئے افق، جاسوسی، سرگزشت اور سسپنس وغیرہ۔ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز سے آج بھی وابستہ ہوں۔ 1961ء میں پہلی بار اپنے ناول' کالا سماج' کا مسودہ لکھ رہا تھا جب ابن صفی (اسرار ناروی) پاکستان تشریف لائے۔ وہ میرے ہم وطن ہونے کے علاوہ میرے والد کے شاگرد بھی رہ چکے تھے۔ ہمارے درمیان روزِ اول ہی سے برادرانہ تعلق تھے چنانچہ میں نے انہیں' کالا سماج' کا مسودہ پڑھنے کو دیا۔ دو روز بعد ملاقات ہوئی تو انہوں نے بڑے پیار سے سرزنش کی۔ 'یہ سماج سدھار کی ٹھیکیداری کا کام سیاست دانوں کو کرنے دو۔ میری طرح تم بھی لپاڈگی' شروع کردو اسی میں نجات ہے۔'

دراصل' کالا سماج' ایک لاوارث خانہ بدوش جوان لڑکی کی کہانی تھی جو کھلونے بیچ کر پیٹ پالتی، ایک صاحب عزت اور باحیثیت شخص نے اسے زبردستی کھلونا بنانے کی کوشش کی' ناکامی کا سامنا ہوا تو غریب لاوارث لڑکی کے اُجلے دامن پر چوری کرنے کا دھبہ لگا دیا۔' کالا سماج' سماجی ہونے کے علاوہ طنز و مزاح سے بھی بھرپور تھا۔ چوری کے مقدمے کے سلسلے میں' میں نے عدلیہ سے متعلق

کچھ ایسے حقائق پر نکتہ چینی کی تھی جس کے سبب دانشوروں نے بھی قانون کو اندھا گردانا ہے۔ ابن صفی صاحب کے خیال میں وہ حصہ 'سیفٹی ایکٹ' کی زد میں آ سکتا تھا۔ ان کا مشورہ تھا کہ میں نے جتنا مسودہ لکھا تھا اسے نذر آتش کر دوں اور چین سے بغلیں بجاؤں۔ میں نے ان کا کہنا نہ مانا تو پھر موصوف نے یہ مشورہ دیا کہ کرداروں کے سارے نام غیر مختون (ہندوانہ) کر دو اور کہانی کو سرحد پار کے منظر میں دھکیل دو۔ میں نے ابن صفی صاحب کا دوسرا مشورہ قبول کر لیا۔ ناول شائع ہوا تو وہ عدلیہ والا حصہ بہر حال 'سرخ حاشیے' کا شکار ہو گیا لیکن ان دنوں میرے سب سے چھوٹے ماموں چونکہ پولیس ہسپتال کے نگراں تھے اس لیے ان کے واقف کار ایس پی صاحب نے معاملہ 'رفع دفع' کرا دیا ورنہ شاید مجھے بھی برادرم ابراہیم جلیس کی طرح 'جیل یاترا' کرنی پڑتی۔ ابن صفی صاحب کو صورتِ حال کا علم ہوا تو بولے: ''برخوردار میں نے تمہیں پہلے بھی نصیحت کی تھی۔ اب بھی وقت ہے ناسوروں کی سرجری کا پیشہ ترک کر کے فکشن لکھنے لیے لنگوٹ کس لو۔'' چنانچہ میں نے موصوف کا کہا مان کر فکشن لکھنا شروع کیا تو اسی کا ہو کر رہ گیا۔ کبھی کبھار زبان کا چٹخارہ حاصل کرنے کی خاطر آج بھی کسی فرضی نام سے طنز و مزاح پر کچھ نہ کچھ لکھ لیتا ہوں۔

☆ آپ نے اب تک کتنی تحریریں لکھی ہیں۔ کون سی تحریر آپ کو زیادہ پسند ہے؟

⚘ میں نام کی شہرت سے زیادہ ذوق کی تسکین کا قائل ہوں' جو لطف فقیری میں ہے' وہ بھلا شہنشاہیت میں کہاں' چنانچہ میں نے فرضی ناموں سے اس قدر لکھا ہے کہ شاید دس فیصد نام بھی نہ بتا سکوں بہر حال انوار صدیقی کے نام سے صرف لاہور کا ایک ادارہ میرے کم و بیش اکیس مجلد ناول شائع کر چکا ہے۔ ان میں بیشتر فکشن، ایڈونچر، ڈراؤنے، ناقابل یقین، مائتھولوجی کے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ میری بیگم کے بھی سات عدد مجلد رومانی ناول بلقیس کنول کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ آج کل صرف جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کے لیے مختلف موضوعات پر لکھ رہا ہوں۔ لکھنے لکھانے کی عادت خون میں کچھ اس طرح رچ بس گئی ہے کہ 1994ء میں سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہونے سے پہلے جتنا لکھا کرتا تھا آج اسکے دوگنا لکھ رہا ہوں۔ شاید زندگی کی آخری سانس تک یہ سلسلہ جاری رہے۔

ذاتی طور پر مجھے 'درخشاں' زیادہ پسند ہے جو دو جلدوں میں شائع بھی ہو چکا ہے لیکن عوام نے 'انکا' اور 'امبر بیل' کو زیادہ پسند کیا۔ اپنے

اپنے ذوق کی بات ہے۔ آج کل طنز و مزاح کے ایک مسودے پر بھی کام کر رہا ہوں۔ دعا کریں کہ عمر کی نقدی پوری ہونے سے پہلے اسے پورا کر سکوں۔

☆ آپ کے خیال میں کہانی میں کون سا عنصر سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔؟ آپ کس پہلو پر زیادہ توجہ دینا پسند کرتے ہیں۔؟

✽ ہر شخص کا لکھنے لکھانے کا ایک علیحدہ انداز ہوتا ہے۔ کوئی بھی جان بوجھ کر اپنی تحریر کو خراب نہیں لکھتا لیکن میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جو تحریریں بغیر گراف کے تحریر کی جاتی ہیں، وہ عوام میں مقبول نہیں ہوتیں۔ سب سے اہم پہلو جس پر توجہ دینی چاہیے وہ ایسے موضوع کا انتخاب جو معاشرے سے قریب تر ہو اور وقت کی ضرورت بھی ہو۔ ذاتی طور پر میں وقت حالات اور لوگوں کی پسند ناپسند کا رجحان دیکھ کر لکھنے کا عادی ہوں۔ آپ حالات کے دھارے سے الگ ہونے کی کوشش کریں گے تو پھر کٹ کر رہ جائیں گے۔

☆ آپ کے خیال میں نصف صدی میں کہانی میں کیا تبدیلی واقع ہوئی ہے، مزاج اور معیار کے اعتبار سے......!

✽ پہلے خالص ادبی دور تھا، خواتین کے نام بھی پیش پیش تھے مگر گزشتہ نصف صدی میں جوں جوں حالات تبدیل ہوئے پڑھنے والوں کے مزاج میں بھی اسی انداز میں تبدیلی واقع ہوئی۔ اسی اعتبار سے رسالوں نے بھی اپنی روش بدلی، کچھ کامیاب ہوئے، کچھ نے اپنا بوریہ بستر لپیٹ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نام جو کل سرفہرست شمار کیے جاتے تھے اب خال خال نظر آتے ہیں۔ میں پھر اسی بات پر زور دوں گا کہ اگر تخلیق کار خود کو وقت کے سانچوں میں ڈھالتا رہے تو ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے۔

☆ آپ کیسے ماحول میں لکھنا پسند کرتے ہیں۔؟

✽ ماحول پرسکون ہو، حالات سازگار ہوں، معاوضہ حسب حیثیت ملتا رہے تو پھر تحریر کا رنگ بھی نکھرتا ہے۔ لوڈشیڈنگ میں تو ہر پیراگراف لو اور ہائی وولٹیج کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

☆ کیا ڈائجسٹوں میں شائع ہونے والی کہانیاں کوئی مفید خدمت انجام دے رہی ہیں۔؟

✽ اردو اور سیارہ ڈائجسٹ کے وقتوں میں معیار خاصا بہتر تھا۔ ان میں ہر رنگ اور مزاج کی معیاری کہانیاں مختلف موضوعات پر شامل کی جاتی تھیں جو مفید بھی ہوتی تھیں۔ جہاں تک ڈائجسٹوں کے مفید خدمات انجام دینے کے سوال ہے تو اب صرف گنتی کے ایک دو ڈائجسٹ ہیں جو عوام میں مقبول ہیں۔ باقی گزارا کر رہے ہیں اور اس کی بنیادی وجہ ہے کہ چہروں کے ساتھ ساتھ مالکان اور مدیروں کے انداز بھی بدل رہے ہیں۔ نئے مصنفین صرف پیسوں کی خاطر لکھ رہے ہیں۔ ان کے لیے نام کا 'چھپ جانا' ہی سب سے بڑا معیار ہے۔ کہانی خواہ بے سروپا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر یہی صورت برقرار رہی اور مالکان نے رقم بٹورنے کے علاوہ اسی طرح اچھے اور بہتر مواد کے انتخاب سے نظریں چرائیں تو پھر آج جو معیار ہے وہ کل بتدریج یکسر ختم بھی ہو سکتا ہے۔ پہلے ڈائجسٹوں میں کہانی کو منتخب کرنے کی خاطر ایک پینل ہوتا تھا جو انتخاب کرتا تھا۔ اب 'جیسا دام ویسا کام' کی بنیاد پر گاڑی چل رہی ہے۔ اس کی ذمہ داری مدیروں پر نہیں۔ صرف اور صرف مالکان پر عاید ہوتی ہے جو اپنے اصل کام کو پورا وقت نہیں دے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے ڈائجسٹوں کی تعداد اشاعت بھی زوال پذیر نظر آتی ہے۔

☆ آپ کے خیال میں کتابیں اور رسائل پڑھنے کے رجحانات میں کمی ہوئی ہے یا اضافہ ہوا ہے۔؟

۞ ٹی وی چینلز کی بہتات نے رسائل کی طرف لوگوں کی توجہ کم از کم پچاس فیصد کم کردی ہے' آپ بھی دیکھتے ہوں گے کہ کل جن ہاتھوں میں کتاب یا رسالے نظر آتے تھے آج ان میں بھانت بھانت کے موبائل دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ایک فیشن سا بن گیا ہے۔ بات پھر وہیں آجاتی ہے کہ جب آپ کی توجہ معیار برقرار رکھنے پر کم ہوگی تو پھر دوسرے عوامل آپ پر غالب آتے رہیں گے۔

☆ آپ کے خیال میں قلمکار کی سب سے بڑی ذمہ داری کیا ہے۔؟

۞ اپنی تصنیف سے مخلص اور دیانت دار ہو۔ جس موضوع کا بھی انتخاب کرے' اس میں معاشرے کی اصلاح کا کوئی نہ کوئی پہلو بھی ضرور شامل ہو۔ کم لکھے لیکن معیاری لکھے۔

☆ آپ کے خیال میں ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے۔؟

۞ ایک دوسرے کی ٹانگ پکڑ کر کھینچتے رہنا' جب محبت اور یگانگت کے جذبے فراموش کر کے ہر شخص اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانا شروع کردے گا تو پھر معاشرے کا وہی حال ہوگا جو اب ہو رہا ہے۔ احساس ذمہ اور فرض کی ادائیگی سے نظریں چرانے کا جو عمل جاری ہے وہی جرائم میں روز افزوں اضافے کا سبب بھی ہے۔ جب ایک ایک کر کے سب کی پگڑیاں اچھل رہی ہوں تو پھر معاشرہ کہاں رہ گیا؟ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔

☆ اپنے ہم عصر قلمکاروں کے متعلق بتایئے۔؟

۞ 55 سال سے لکھنے کے باوجود ابھی سیکھنے کے عمل سے گزر رہا ہوں' اس لیے ہم عصروں کے بارے میں کیا رائے دے سکتا ہوں۔ چار چھے واقف جو تھے وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اب تو اپنی باری کے انتظار میں صبح وشام کر رہا ہوں۔

☆ آپ کی چند تحریروں کے بارے میں متنازعہ بیانات ملتے ہیں' ان کے بارے میں حقائق کیا ہیں۔؟

۞ میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ کا اشارہ ''انکا' اقابلا' سونا گھاٹ کا پجاری اور غلام روحیں'' کی طرف ہے' سب سے پہلے یہ عرض کردوں کہ یہ تمام سلسلے کتابی شکل میں 1980 سے میرے ہی نام سے شائع ہوئے لیکن ابھی تک کوئی قانونی نوٹس 'کاپی رائٹ' کی خلاف ورزی کے سلسلے میں موصول نہیں ہوا۔ ویسے ایک صاحب ہیں جو اپنی سرگزشت میں (جو ماہنامہ رازدار میں 1993ء میں تین ماہ تک شائع ہوچکی ہے) انوار بھائی کے نام کو بڑے ادب واحترام سے لے چکے

ہیں۔ یہ بھی تسلیم کیا کہ میں جو کچھ لکھتا تھا وہ بڑی پابندی اور پوری دیانت سے لکھتا تھا جس کی وجہ سے محترم بہزاد لکھنوی کے سلسلے بھی ماند پڑ گئے۔ میری قسط وار کہانیوں نے بڑی دھومیں مچائیں۔ موصوف نے اسی سرگزشت میں اپنی فطری اصلیت کا جو اظہار بڑے کھلے الفاظ میں اور بڑی شان سمجھ کر نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے وہ ابھی قصہ پارینہ نہیں ہوا۔ مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ 1993ء میں اپنی سرگزشت بیان کرنے کے بعد موصوف نے بار بار جو بیان داغے اور جو جو قلابازیاں کھائیں، وہ کسی شریف النفس انسان کا شیوہ نہیں ہوتا۔ انوار بھائی...... انوار بھائی سے 'ایک انوار صاحب' بن گئے جنہوں نے موصوف کی بارگاہ میں باادب حاضر کر کے درخواست کی کہ 'حضور والا! اس غریب کو لکھنے کا موقع دیں' (یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ میں 1957ء میں محکمہ سینٹرل ایکسائز اینڈ لینڈ کسٹمز میں انٹیلی جنس آفیسر کے عہدے پر فائز تھا) اور موصوف جیسے حضرات میرے آگے پیچھے ہاتھ باندھے پھرتے تھے۔

یہ دروغ گوئی بھی کی گئی کہ میں نے بہزاد صاحب کے کسی سلسلے کو آگے بڑھایا۔ کبھی بہزاد صاحب کی تحریر کردہ گیارہ قسطوں کا حوالہ دیا گیا کبھی کسی انٹرویو میں وہی گیارہ قسطیں۔ 'دروغ گو را حافظہ نہ باشد' کی وجہ سے سکڑ کر دو قسطوں تک محدود رہ گئیں۔ ہر بار ایک نیا جھوٹ بولا گیا۔ ایک نئی قلابازی کھائی گئی۔ میں 37 سال تک خاموش رہا لیکن اب ایک کتابچہ مرتب کر رہا ہوں جس سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ عوام الناس بھی ان تمام پہلوؤں سے واقف ہو جائیں گے جن کا ذکر سرگزشت میں برملا کیا گیا۔

اگر میں نے موصوف کو انہی کے آئینے میں ان ہی کا اصلی روپ دکھانے کی ٹھان لی ہے تو اس سے بہتوں کا بھلا ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ موصوف خود ہی اپنی اصلاح کی کوشش کریں۔ موصوف نے مرحوم شوکت صدیقی کو بھی 'جانگلوس' کے سلسلے میں عدالت تک گھسیٹا، لیکن انجام کیا ہوا؟ منہ کی کھانی پڑی۔ ایک طرف تو یہ اعتراف کیا گیا کہ 'عالمی ڈائجسٹ' میں لکھنے کی خاطر موصوف نے اس زمانے کے مشہور لکھاریوں کے گھر کے سو سو چکر لگائے (اس فہرست میں بھی سرگزشت کے مطابق میرا ہی نام سرفہرست درج ہے) لیکن بعد میں یہ بھول گئے کہ میں جناب سے کب' کہاں اور کس کے ذریعے ملا تھا...... آخر صبر کی کوئی انتہا بھی ہوتی ہے۔

اب ایک سوال میں کرتا ہوں...... اگر امبر بیل بھی جناب کی تحریر کردہ تھی تو اسے مکمل کیوں نہیں کیا گیا؟ میرے بغیر کیا موصوف کی تصنیفی قوتیں سلب ہو گئی تھیں؟ امبر بیل کی قسطیں شائع نہ ہونے کے بعد موصوف کا پرچہ جو ماہانہ تھا وہ سہ ماہی اور سالانہ کیوں بن گیا؟ سالہا سال تک ڈمی داخل کر کے کام کیوں چلایا گیا؟ امبر بیل کی قسطیں بھی آنا کیوں بند ہو گئیں؟ پرچہ جسے اپنی غیرت قرار دیا گیا تھا وہ بک کیوں گیا؟ جو مالک تھا وہ صرف مدیر تک محدود رہ گیا۔ آخر کیوں؟ اور اب تو سنا ہے کہ مدیر بھی نہیں رہے۔ یہ سب کن اعمال کی سزا ہے۔؟ میں آخر میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے جس شخص کو عاقل سمجھا تھا وہ نا معقول زیادہ ثابت ہوا۔ باقی کتابچہ آنے پر اور بہت کچھ بھی تصویر کے آئینے میں زیادہ واضح اور صاف صاف نظر آ جائے گا۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔؟ ☆